بزمِ دانش | فکرو نظر | مستقل کالم

مسلم خواتین اور سیاسی قیادت

''**بزمِ دانش**'' میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم ارباب قلم اور علمائے اسلام کو آواز دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ **از: مبارک حسین مصباحی**

ستمبر ۲۰۱۰ء کا عنوان — کیا بیت المقدس کو پھر کسی سلطان ایوبی کا انتظار ہے؟

اکتوبر ۲۰۱۰ء کا عنوان — ملحق مدارس میں رشوت کی گرم بازاری — علاج کیا ہے؟

سیاسی اکھاڑے میں عورت اپنی نسوانیت کی حفاظت نہیں کرسکتی

از: محمد ساجد رضا مصباحی، جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف

نبی کریم ﷺ نے قیامت کی نشانیوں میں یہ بھی بیان فرمایا تھا کہ قربِ قیامت عورتیں مردوں پر حکومت کریں گی، ہمارا ایمان و یقین ہے کہ نبی کریم ﷺ صادق مصدوق ہیں، آپ کا فرمایا ہوا ایک ایک لفظ حرف بہ حرف صادق ہوگا اور آپ کی ایک ایک پیشین گوئی صحیح ثابت ہوگی۔ آج ہم جب عالمی سیاسی منظر نامے پر نظر ڈالتے ہیں اور سیاست و قیادت میں خواتین کی حصے داری کا جائزہ لیتے ہیں تو سرورِ کائنات ﷺ کے اس فرمان پر ہمارا ایمان و یقین اور کامل ہو جاتا ہے۔

خواتین کی سیاسی قیادت کا مسئلہ مذہبی دانش وران کے درمیان ایک عرصے سے موضوعِ بحث ہے اور مختلف ادیان و مذاہب کے نمائندوں نے اس سلسلے میں بھانت بھانت کے افکار و نظریات پیش کیے ہیں۔ حمایت و مخالفت کی شاہراہوں سے گزرتا ہوا یہ مسئلہ ایک بار پھر موضوعِ سخن ہے۔ انسانی مساوات اور خواتین کی آزادی کے علم بردار نام نہاد مفکرین نتائج و عواقب سے بے پروا صنف نازک کی فطری صلاحیتوں سے بے خبر، عورتوں کی امامت و قیادت کی حمایت میں عقل و خرد سے ماورا بڑی بے ہنگم دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ ان فطرت نا آشنا مفکرین کو اس سلسلے میں اسلامی نقطۂ نظر کا مطالعہ کر کے اپنی فکر و نظر کا قبلہ درست کر لینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت انسانوں کو دو صنفوں میں تقسیم فرما کر ان کا دائرۂ کار اور حدودِ عمل متعین فرما دیا ہے اور اسی کے مطابق ان کے اندر صلاحیتیں بھی ودیعت فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ ان حدود کی پامالی در اصل قانونِ فطرت سے بغاوت ہے، جو قوموں کی تباہی کا پیش خیمہ اور ذلت و رسوائی کا سامان ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کی فطرت کے مطابق دونوں کی ذمے داریوں میں فرق کیا ہے، امامت و قیادت کے لیے مردوں کا انتخاب فرمایا ہے جب کہ عورتوں کو ان کی صنفی نزاکت، نقصانِ عقل اور طبعی نرمی کی وجہ سے خانگی امور، بچوں کی تربیت و پرورش اور درونِ خانہ کی دوسری ذمہ داریاں سپرد کی ہیں۔ ان دونوں صنفوں کے درمیان یہ تقسیمِ عمل دونوں کی جسمانی ساخت، مزاج و طبیعت، قوتِ عمل اور تقاضائے فطرت کے عین مطابق ہے۔

عفت مآب خواتین کی سیاسی سرگرمیوں میں حصے داری یا سیاسی قیادت مذہبی نقطۂ نگاہ سے قطع نظر ان کی فطری و صنفی تقاضوں کے بھی خلاف ہے۔ سیاست کی پگڈنڈی بڑی پر پیچ اور دشوار گزار ہوا کرتی ہے جن پر چل کر منزل تک رسائی کے لیے قوتِ عمل، فکر و تدبر، حد درجہ

دانائی و بینائی کی سخت ضرورت ہوا کرتی ہے، جن سے عورتیں فطری طور پر عاری ہوا کرتی ہیں۔ ایک جماعت یا ریاست و مملکت کی قیادت کے لیے قائد کے اندر جو صلاحیتیں درکار ہیں، ایک عورت انھیں پورا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ جذبات کی شدت، عجلت و بے صبری، فطری شرم وحیا، قوت فیصلہ کا فقدان، مخصوص طبعی میلانات، صنفی عوارضات یہ وہ امور ہیں جن کے سبب صنف نازک کو امامت و قیادت کے عہدۂ گراں بار کے لائق نہیں قرار دیا جاسکتا۔

تاریخ کے کسی طالب علم کے ذہن میں یہ سوال گردش کرسکتا ہے کہ تاریخ عالم میں بعض ایسی خواتین کا بھی تذکرہ ملتا ہے جنھوں نے اپنی غیر معمولی ذہانت، حیرت انگیز فکر و تدبر، بے پناہ قوت فکر و نظر اور حکومت و سلطنت کی حد درجہ صلاحیت سے اپنی سلطنت کو ترقی کے اوجِ ثریا پر پہنچا کر اپنا نام روشن کیا اور ہمیشہ کے لیے تاریخ کا ایک اٹوٹ حصہ بن گئیں، پھر صنفِ نازک کو حکومت و قیادت کی مطلوبہ صلاحیتوں سے عاری قرار دے کر انھیں حکومت و قیادت کے حق سے محروم کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے؟ در اصل ایسے واقعات استثنائی اور جزوی ہوا کرتے ہیں، جن سے عمومی نقطۂ نظر پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

عورتوں کی آزادی کی وکالت کرنے والے اور گلا پھاڑ کر مساوات کا نعرہ لگانے والے اہل مغرب عورتوں کے ساتھ کتنی ہمدردی رکھتے ہیں اور ان کی یہ جدوجہد عورتوں کے ساتھ اخلاص پر مبنی ہے یا محض اسلام دشمنی پر اس کا اندازہ خود ان کے کردار وعمل سے لگایا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل مغرب اپنے اس نظریے پر خود عمل پیرا نہیں۔ عورتوں کی آزادی کے سب سے بڑے ٹھیکیدار امریکہ ہی کو لیجیے، جو آج پوری دنیا میں انسانی مساوات کا ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے، لیکن آج تک کوئی خوش نصیب عورت یہاں کی صدر نہیں بن سکی۔

اسلام جو دینِ فطرت ہے اور ہر موڑ پر اعتدال کا درس دیتا ہے، اس سلسلے میں بڑا واضح نظریہ رکھتا ہے۔ اسلام نے عورتوں کو گھر کی زینت قرار دیا ہے اور اس کی فطری صلاحیتوں کو پیش نظر رکھ کر اس کا دائرۂ عمل متعین فرمادیا ہے۔ اسلام نے عورتوں کی عزت و عصمت کی حفاظت کے لیے انھیں پردے کا حکم دیا اور بے حجاب غیر محرم کے سامنے جانے کو شریعت کی نگاہ میں شدید ترین جرم قرار دیا، ظاہر ہے شریعتِ مطہرہ کے ان فرامین کی پابندی ایک ایسی عورت ہرگز نہیں کرسکتی جس کے سر میں سیاست کا بھوت سوار ہو یا سیاسی قیادت کا شوق چڑھا ہو۔ بلکہ صنف نازک کا سیاسی میدان میں قدم رکھنا اور بھی طرح طرح کی دوسری قباحتوں کے دروازے کھولے گا۔ غیر مردوں سے اختلاط، بے حجابی و بے پردگی اس میدان کی عام سی بات ہے۔ سیاست مقابلے کا میدان ہوا کرتا ہے، جہاں ہر شخص اپنے مدمقابل کو مات دینے کے لیے ہر طرح کی شرعی وغیر شرعی کوششیں کرنے سے نہیں چوکتا۔ اپنی تمام تر شرعی و مذہبی ذمے داریوں کو فراموش کر بیٹھتا ہے ایسے میں ایک عورت اپنی نسوانیت کی حفاظت کس طرح کرسکتی ہے، اسلامی حدود میں رہ کر اپنی سیاسی ذمہ داریوں کو کس طرح انجام دے سکتی ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے ایسے لوگوں پر جو اسلامی احکامات پر عمل پیرا ہو کر عورتوں کی سیاسی حصے داری کی بات کرتے ہیں۔ اسلام کے اس نظریے کو عورتوں کے حقوق کی پامالی قرار دینا سراسر حماقت پر مبنی ہے۔ اسلام کا یہ حکم در اصل عورتوں کی نسوانیت کی حفاظت اور ان کے عزت و وقار کے تحفظ کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

اسلام کا نام لے کر عورت کو سماجی خدمات سے محروم نہیں رکھنا چاہیے

از: مہتاب پیامی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور Payamee@gmail.com

سچر کمیٹی اور لبراہان کمیشن کی سفارشات پر عمل کی مانگ کو لے کر جو ہنگامہ آرائیاں ہوئیں وہ ہماری ملکی سرکار کے لیے کسی چیلنج سے کم نہیں تھیں۔ اب ہماری سرکار کوئی انصاف پسند سرکار تو ہے نہیں کہ وہ مسلمانوں کی زبوں حالی کو محسوس کرتے ہوئے ان کے لیے عملی اقدامات کرے۔ گزشتہ تمام کمیشنوں کی طرح یہ کمیشن بھی در اصل مسلمانوں کو کھلونے دے کر بہلانے کی ایک کوشش سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کمیشنوں کی سفارشات پر عمل در آمد کو التوا میں ڈال کر پارلیمنٹ کے ایوانِ بالا میں "اقلیتی تعلیمی بل" یا "اقلیتی روزگار بل" پاس کرنے کے بجائے "خواتین ریزرویشن بل" پاس ہونے کا مقصد تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اور میڈیا دونوں کی توجہ بنیادی مسائل سے

ہٹا کر دوسرے غیر اہم مسائل کی طرف مبذول کر دی جائے اور ہوا بھی یہی۔ آج میڈیا میں کہیں ان دونوں کمیشنوں اور ان کی سفارشات کا ذکر نہیں ہوتا، ذکر ہوتا ہے تو "خواتین ریزرویشن" بل کا۔ اور جب تک یہ ہنگامہ فرو ہوگا تب تک مذکورہ دونوں سفارشات سرد خانے کی نذر ہو چکی ہوں گی۔

پارلیمنٹ کے ایوان بالا میں خواتین ریزرویشن بل پاس ہونے کے بعد کچھ عجیب طرح کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ کچھ ایسے لوگوں نے بھی اپنی ناراضگی ظاہر کی ہے، جن سے اس کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ افسوس صرف اس بات کا ہے کہ انھوں نے اس کے لیے اسلام جیسے حق پسند اور مساوات کے حمایتی مذہب کا نہ صرف سہارا لیا، بلکہ اس کے مخالفین کو، جو پہلے سے ہی اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کرنے میں لگے ہوئے ہیں، اس کے خلاف زہر اگلنے کا ایک اور موقع فراہم کر دیا ہے۔

حقیقت میں اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور پر نظر ڈالیں تو خود پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کے زندگی میں خواتین کو وہ بہت سے اختیارات حاصل تھے، جن کی مانگ آج بھی خواتین کے لیے کی جا رہی ہے۔ مثال کے طور پر نبی اکرم ﷺ کے دور میں آزادی اور خود مختاری کی علامت تو حضرت خدیجہ ہیں، جو مکہ میں امپورٹ ایکسپورٹ کے ایک بڑے کاروبار کی مالک تھیں، حضرت محمد ﷺ سے نکاح کے بعد بھی ان پر کوئی روک نہیں لگائی گئی۔ اسی طرح تعلیم کے میدان میں حضرت عائشہ آج بھی ہمارے لیے مثال ہیں۔ اسلامی شریعت کا ایک تہائی حصہ انھیں کی بدولت لکھا گیا ہے۔ اسی طرح سیاسی سطح پر خود آپ کی نواسی، حضرت علی اور فاطمہ کی بیٹی اور امام حسن اور امام حسین کی بہن حضرت زینب کا عظیم کردار کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ انھوں نے کربلا کے میدان میں لٹے پٹے قافلہ کی نہ صرف قیادت کی، بلکہ سیریا کے شاہی دربار میں سچ اور اسلامی وقار کے لیے ایسی تقریر کی، جس کے بارے میں کسی شاعر نے کہا ہے:

شام کی تاریکیوں میں نور پھیلا کر رہی　　　　عظمت مظلوم کو ظالم سے منوا کر رہی

اسی طرح ایسی ہی ایک اور مثال ہے حضرت رابعہ بصری کی، ان کے جدید خیالات اور عظمت کو کیسے فراموش کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو چند مثالیں ہیں، ورنہ جنگ کے میدان سے لے کر ہدایت، قیادت اور آزمائش کے سخت لمحات تک عورتوں کا کردار کسی طرح مردوں سے کم نہیں رہا ہے۔

جدید دور کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو دور جانے کی ضرورت نہیں، ہندوستان میں ہی رضیہ سلطان، چاند بی بی، زیب النسا، جہاں آرا اور ان سے آگے بڑھ کر بھوپال ریاست میں ایک نہیں، کئی خواتین اقتدار میں رہی ہیں۔ انھوں نے نہ صرف اپنے دور میں تعلیم، خاص طور سے لڑکیوں کی تعلیم کے لیے شان دار ریکارڈ قائم کیے بلکہ اپنے دور اقتدار کو بھی دوسروں کے لیے مثال بنا دیا۔ گزشتہ صدی میں بھی غیر ملکی قبضوں سے اپنے اپنے ممالک کو آزاد کرانے کے لیے مسلم خواتین نے جس جرأت کا مظاہرہ کیا، وہ ہماری تاریخ کے سنہرے باب ہیں۔ ترکی کی خالدہ ادیب خانم، طرابلس کی فاطمہ، الجزائر کی جمیلہ بوپاشا کو کس طرح فراموش کیا جا سکتا ہے۔ ہماری جنگ آزادی گواہ ہے کہ جب اودھ کے تاج دار واجد علی شاہ نے انگریزوں کے آگے ہتھیار ڈال دیے تو وہ بیگم حضرت محل ہی تھیں، جن کی غیرت نے صاحب اقتدار لوگوں سے ہار نہیں مانی۔ اس کے علاوہ بیسویں صدی کے شروع میں علی برادران کی ماں بی اماں نے جس طرح عوامی بیداری کے لیے جلسوں، جلوسوں میں حصہ لیا، بیگم حسرت موہانی نے جنگ آزادی اور تحریک میں جو قربانیاں دیں، ان پر اس وقت کے کسی عالم دین نے کوئی روک نہیں لگائی۔

آزادی کے بعد بھی جدید ہندوستان میں بہت کم ہی سہی، لیکن اقتدار، انصاف، اور مختلف شعبوں میں جب بھی موقع ملا، خواتین نے اپنی موجودگی درج کرائی ہے۔ ہندوستان میں سپریم کورٹ کی پہلی خاتون جج ہونے کا شرف ایک مسلم خاتون جج فاطمہ بی بی کے حصہ میں آیا۔ بیگم قدسیہ اعجاز رسول، میمونہ، سلطان، محسنہ قدوائی، انورہ تیمور، بیگم حمیدہ حبیب اللہ، بیگم شیخ محمد عبد اللہ، محبوبہ مفتی، ڈاکٹر نجمہ ہبت اللہ اور ڈاکٹر سیدہ سیدین حمید ان چند اہم ناموں میں سے ہیں، جن سے آپ ذاتی اور مختلف امور پر تو اختلاف رائے رکھ سکتے ہیں، لیکن انھیں نظر انداز نہیں کر سکتے۔

جہاں تک خواتین کو شریعت کے دائرے میں رہ کر زندگی گزارنے اور کام کرنے کی ہدایت کی بات ہے تو اس سے ہم بھی سو فیصد متفق ہیں، لیکن اتنا ضرور کہنا چاہتے ہیں کہ شریعت جتنی خواتین کے لیے ہے، اتنی ہی مردوں کے لیے بھی ہے۔ اس لیے مسلمان مرد ہوں یا خواتین، اگر وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو دونوں کو اس دائرے میں رہنا چاہیے۔ لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، اسلامی شریعت مردوں کی طرح خواتین کو بھی شرم وحیا وعزت ووقار کو برقرار رکھتے ہوئے ہر طرح کی جائز آزادی عطا کرتی ہے۔

خواتین کو ان کے اختیارات سے محروم کرنے کا رویہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے خطرناک ہے، بلکہ یہ اس جدوجہد کو بھی نقصان پہنچائے گا اور اس مقدمہ کو بھی کمزور کرے گا، جس کے تحت خواتین ریزرویشن بل میں مسلم خواتین کے لیے حصہ داری کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔

اس سلسلے میں چند باتیں ہم مزید عرض کرنا چاہیں گے۔ سماجی زندگی میں مرد عورت کا رشتہ سب سے اہم ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ رشتہ انسانی تعلق کی بنیاد ہے اور اس میں معمولی سی غلطی بھی سماجی ڈھانچہ کو بدنما اور داغ دار بنا سکتی ہے۔ ہماری تاریخ عورتوں پر ہونے والے مظالم اور پابندیوں کے داغ دار مناظر سے بھری پڑی ہے۔ کہیں تو عورت کو، جو ماں کی حیثیت سے انسان کو جنم دیتی ہے اور کہیں بیوی کی حیثیت سے جو زندگی کے ہر سکھ دکھ میں مرد کی دوست رہتی ہے، نوکرانی کے درجہ میں رکھ دیا گیا ہے۔ کہیں اسے فروخت کیا جاتا تو کہیں خریدا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ اسے گناہ اور ذلت کی مورت بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس کی شخصیت کو ابھرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ دوسری جانب ہمیں یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ عورت کو اعلیٰ مقام دیا جارہا ہے، اسے اوپر اٹھایا جارہا ہے، سماج میں اسے عزت دی جارہی ہے اور وہ بھی اس انداز سے کہ اس کے ساتھ ساتھ اسے بدکردار ثابت کرکے بے عزت بھی کیا جارہا ہے۔ وہ مردوں کی خواہشات کا کھلونا بنائی جاتی ہے۔

مسلم عورت دین اور دنیا میں اپنی عقل وخرد اور روحانی طاقت سے عزت اور ترقی کی اس اونچائی پر پہنچ سکتی ہے، جہاں تک مرد پہنچا ہو، اور اس کا عورت ہونا کسی بھی طرح سماج میں اس کے مرتبہ، اس کی حیثیت اور اس کے مقام کو کم نہیں کرتا۔ اسلام نے جو اختیارات دیے ہیں، ان کے تحت سب سے پہلا اختیار اقتصادی ہے۔ اسلام عورت کو جائداد میں بہت بڑا حق دیتا ہے۔ باپ سے، شوہر سے، اولاد سے اور دوسرے قریبی رشتہ داروں سے اسے جائداد میں حصہ ملتا ہے۔ ان سب کے علاوہ جو کچھ اسے ملتا ہے، اس میں دخل دینے کا اختیار نہ تو اس کے باپ کو حاصل ہے اور نہ ہی اس کے شوہر کو۔ اس کے علاوہ وہ کسی کاروبار میں روپیہ لگا کر یا خود محنت کرکے کچھ کمائے تو اس کی مالک بھی صرف وہی ہے۔ اس طرح اسلام نے عورت کی اقتصادی حیثیت اتنی مضبوط کردی ہے کہ کہیں کہیں تو وہ مرد سے بہتر حالات میں ہوتی ہے۔

عورتوں کو دینی اور دنیاوی تعلیم حاصل کرنے کی نہ صرف اجازت دی گئی ہے، بلکہ اسے اتنا ضروری قرار دیا گیا ہے، جتنا مردوں کی تعلیم اور تربیت۔ یہی نہیں، بلکہ اسلام میں عورتوں کو بہتر سے بہتر معاشرتی اختیار حاصل ہیں۔ شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے معاشرتی ذمہ داریوں میں وہ جس طرح چاہے، حصہ لے سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول ﷺ کے دور اقتدار میں چاہے تہذیبی، سماجی سرگرمیاں ہوں، عام لوگوں کے درمیان کچھ کرنا ہو یا عورتوں کی خاص تہذیبی مجلس ہو، سماجی کاموں میں عورتوں کی خدمات کی ضرورت ہو یا جنگ کے بعد زخمیوں کی دیکھ ریکھ کا معاملہ ہو، ہر جگہ ہمیں مسلم عورتیں اپنا کام بخوبی ادا کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اسلام چوں کہ ایک دین فطری ہے اور عورت میں پیدائش سے ہی ماں بننے کی خواہش پنہاں ہوتی ہے۔ بچے کو جنم دینا، اسکی دیکھ بھال کرنا، ان کی اچھی طرح پرورش کرنا وغیرہ سب عورت کی فطرت میں ہے۔ بچے کے مستقبل کو سنوارنا، اس کے مسائل حل کرنا۔ ان تمام ذمہ داریوں کو عورت بڑی خوبی سے ادا کرتی ہے۔ لیکن اسلام مرد اور عورت دونوں سے چاہتا ہے کہ دونوں گاڑی کے دو پہیوں کی طرح اپنے کاموں کو بخوبی پورا کریں۔ تمام ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں اسلام نے کہیں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی، بلکہ ایک عورت جب ماں کی شکل میں ۴۰-۴۵ سال کی عمر کو پہنچتی ہے تو اس کے پاس وقت بھی ہوتا ہے، صحت بھی اچھی ہوتی ہے اور اس کے پاس تجربہ بھی ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے اندر سماج کی تعمیر اور تشکیل کا داعیہ بھی ہوتا ہے۔ یہ کسی بھی صورت میں مناسب نہیں ہوگا کہ اسلام کا نام لے کر اسے یہ کردار ادا کرنے سے محروم رکھا جائے۔ ☆☆☆